(غلام گردش)

## فیکو

بھاٹی گیٹ ،لاہور میں ایک پُرہجوم تقریب تھی۔تقسیمِ ہند سے چند برس پہلے کا واقع ہے۔اس میں کے۔ایل۔سہگل نے گانا سنانے آتا تھا۔بھاٹی گیٹ ،لاہور کا زندگی سے بھرپور مرکز تھا۔سیاسی،سماجی،مذہبی،لسانی اور ہر طریقے کی تحریکوں اور تقریبات کا گڑھ۔اب تو لاہور اتنا بڑا ہو چکا ہے کہ مرکزیت مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے۔ویسے اب عجیب وغریب دور ہے۔کسی بھی چیز کا کوئی مرکز نہیں۔مگر تضاد یہ ہے کہ ہر جگہ،ہی مرکز بننے کی تگ ودو میں ناکامی سے مصروف ہے۔ویسے سچی بات ہے کہ جید لوگ باقی رہے اور نہ ہی زندگی کی وہ نفاستیں۔اب تو ہر چیز مصنوعی مصنوعی سی ہے۔کسی بھی سچے جذبے کے بغیر۔شائد اب ہم تصنع کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ حقیقی زندگی کا ادراک ہی فراموش کر بیٹھے ہیں۔بے قابو آبادی،وسائل کی غیر شریفانہ تقسیم اور فریب اب ہماری زندگی کے سنگِ میل ہیں۔نتیجہ یہ ہے کہ کسی بھی میدان میں بڑا آدمی پیدا ہو نہیں رہا۔ہر شعبہ میں بونوں کی تسلسل سے اجارہ داری ہے۔اس اجارہ داری کو منظّم طریقے سے برقرار رکھا جا رہا ہے۔کسی میں اتنی جرات ہی نہیں کہ بغیر لکھے ہوئے قانون کی معمولی سی بھی ہتک کر پائے۔یہ نظر نہ آنے والا سماجی،سیاسی،مذہبی پنجرہ ہم سب کو عذاب میں ڈال چکا ہے۔ہم اس کڑی سزا پر بے حد مطمئن سے نظر آتے ہیں۔پتہ ہی نہیں کہ آزاد ہونے کا مطلب کیا ہے۔یہ بدترین ذہنی غلامی ہے۔

خیر چھوڑیئے۔یہ تو ہر روز کا مرثیہ ہے۔شائد نوحہ ہے۔بات بھاٹی گیٹ میں منعقد کے ایل سہگل کی تقریب کی بات ہو رہی تھی۔نوجوان نسل کو تو سہگل کا نام بھی پتہ نہیں ہوگا۔یہ برصغیر کا وہ عظیم گلوکار تھا جس نے پوری دنیا میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔اسکا طوطی سر چڑھ کر بولتا تھا۔آواز میں اس قدر خوبصورتی تھی کہ فلم انڈسٹری کا ہر نیا گلوکار،صرف اور صرف اسکی نقل اُتارتے ہوئے گانا گاتا تھا۔یہ سحر انگیز انسان،آج بھی اپنی آواز میں زندہ ہے۔بہرحال جب بھاٹی گیٹ کی تقریب میں کے ایل سہگل آیا اور سٹیج پر بیٹھ گیا،تو یک دم بجلی بند ہوگئی۔ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔لوگوں میں بے چینی عود کر آئی۔لاؤڈ سپیکر بھی بجلی نہ ہونے کی وجہ سے کام کرنا چھوڑ گیا۔عجیب سی صورتحال بن گئی۔لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ویسے،برصغیر کے لوگ صرف شور مچا سکتے ہیں۔کسی ڈھنگ سے زندگی گزارنا،انکے بس سے باہر ہے۔منتظمین نے کے ایل سہگل کو گانے کیلئے کہا،تو اس نے لاؤڈ سپیکر کے بغیر گانے سے انکار کر دیا۔بات بھی درست ہے۔آج بھی مستند گانے والے،ساؤنڈ سسٹم کے بغیر بہت کم گاتے ہیں۔ہجوم میں ارتعاش پھیلنے لگا۔اسی محفل میں ایک نوجوان رفیع بھی اپنے تایا زاد بھائی کے ساتھ موجود تھا۔وہ بھی کے ایل سہگل کی آواز پر فریفتہ تھا۔رفیع بذاتِ خود ہر وقت گانا گاتا رہتا تھا۔اسکے والد کی زلف تراشی کی دکان تھی۔یہ لڑکا،اپنی آواز سے گاہکوں کا دل بہلاتا رہتا تھا۔رفیع حد درجہ شرمیلا سا انسان تھا۔اسکا کزن اُٹھا اور اندھیرے میں منتظمین کو تلاش کرنے لگ گیا۔انہیں بتایا کہ اسکا بھائی بہت اچھا گاتا ہے۔اسے سٹیج پر گانے کیلئے کھڑا کر دیں۔لوگ بھی خاموش ہو جائینگے اور بجلی دوبارہ آنے پر سہگل بھی گانا سنا دینگے۔مگر یہ ایک طرح سے بہت بڑا جوا تھا۔کیونکہ نوجوان رفیع کو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔محلّہ میں ویسے،اسے فیکو کہا جاتا تھا۔بہرحال بات طے ہوگئی۔فیکو کو اندھیرے میں سٹیج پر چڑھا دیا گیا اور اس نے بلند آواز سے گانا شروع

کردیا۔لوگ آواز کا توازن اورخوبصورتی سنکر ششدر رہ گئے۔فیکو،کافی دیر تک اندھیرے میں گاتا رہا۔سامعین خاموشی سے سنتے رہے۔بجلی آئی تو رفیع سٹیج سے اُتر گیا اور محفل میں کے ایل سہگل نے رنگ جمادیا۔جب فیکو واپس جانے لگا تو مجمع سے ایک میوزک ڈائریکٹر اُٹھا اور اپنا کارڈ، رفیع کی جیب میں ڈال دیا کہ جب کبھی بمبئی آنا ہو،تو ضرور ملنا۔مگر فیکو کا تو بمبئی جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔بات آئی گئی ہوگئی۔کئی مہینے گزر گئے۔ایک دن،رفیع کے کزن نے جو محفل میں اسکے ساتھ تھا،سنجیدگی سے اسے بمبئی جانے کا کہا۔فیکو جو بنیادی طور پر زلف تراش تھا،نئی جگہ جانے سے حد درجہ گھبراتا تھا۔مگر اپنے کزن کے ساتھ ہمت کر کے بڑی مشکل سے بمبئی پہنچا اور وہاں اسی میوزک ڈائریکٹر کو ڈھونڈ کر ملا،جس نے بھاٹی گیٹ میں اسے کارڈ دیا تھا۔یہ فیکو کی بمبئی کی فلم انڈسٹری کی شروعات تھی۔وہاں اس عظیم گلوکار نے اپنی آواز سے سب کو فتح کرلیا۔غیر متعصب نظام نے اسے فیکو سے محمد رفیع بنادیا۔وہ صداکار،جسکا نام ہر فلم میں کامیابی کی دلیل تھا۔اس نے اپنی زندگی میں چھبیس ہزار گانے گائے۔ہر بڑا موسیقار،رفیع کے ساتھ کام کرنا چاہتا تھا۔رفیع نے نوشاد،ایس ڈی برمن،شنکر جے کشن،روی،او پی نیر،لکشمی کانت پیارے لال،روشن ہر ایک موسیقار کے ساتھ کام کیا۔آج بھی رفیع کی نقل اُتاری جاسکتی ہے مگر اسکی بلند آور خوبصورت آواز میں گانا ناممکن ہے۔قطعی طور پر ناممکن۔پوری دنیا کے ہر حصے میں اسکے قدردان موجود ہیں۔رفیع کی آج تک پذیرائی کی جاتی ہے۔پچپن سال کی عمر میں،اس دنیا سے جانے والا رفیع،اس لمحے بھی ہمارے درمیان موجود ہے۔آج سے ستر اَسی سال پہلے جس خطے میں ہم سانس لے رہے تھے،ہر طریقے سے فن شناس تھا۔ہر معاملے میں اس ذرخیز برصغیر میں ذہنی،فکری سنجیدگی حد درجہ موجود تھی۔اگر دیکھا جائے تو دراصل تمام معاشرہ ایک آزاد منش سماج تھا۔تقسیم کے بعد 1977 تک ہمارا ملک،اسی پرانے برصغیر کی روایات کے قدرے نزدیک تھا۔

اسکے بالکل برعکس،اگر آج یعنی 2020 میں اپنے ملک کو دیکھتا ہوں۔یقین نہیں آتا کہ کیا یہ وہی علاقہ ہے جہاں جید علماء،قد کاٹھ والے سیاستدان،فنون لطیفہ سے وابسطہ مرد اور خواتین،ایک زندگی سے بھرپور سماج رواں دواں تھا۔کم از کم جس نے نہ دیکھا ہو،یا نہ سنا ہو وہ تو ابہام میں ہی رہیگا۔عرض کرنے کا مقصد بالکل سادہ سا ہے۔سنجیدگی سے غور کیا جائے تو کیا ہم لوگ فکری طور پر ترقی کر پائے ہیں؟ ہم جو مرضی کہیں،جتنا مرضی واویلا مچائیں،کسی بھی شعبے میں،قدآور لوگ موجود نظر نہیں آتے۔بلاخوف تردید،ہر شعبے کا ذکر کر رہا ہوں۔گراوٹ میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں۔چلیے،سیاست سے شروع کر لیجئے۔کیونکہ ہمارے خطے میں سیاست کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ہماری آزادی کا سفر قائداعظم جیسے منظّم سیاستدان سے شروع ہوا تھا۔انکے اردگرد،لیاقت علی خان،سہروردی،عبدالرب نشتر،راجہ صاحب آف محمود آباد جیسے بڑے لوگ موجود تھے۔آئیڈیل ازم کی بات نہیں کر رہا۔یہ تمام اور اسطرح کے دیگر لوگ سیاست میں کامیاب ترین افراد تھے۔یہ سارے لوگ انسان ہی تھے۔کوئی مافوق الفطرت مخلوق نہیں تھے۔مگر آج ہمارے سیاسی رہنما کون ہیں،کیا ہیں۔نواز شریف،زرداری اور عمران خان۔کیا واقعی ہمارے سیاسی نظام میں انکے علاوہ کوئی دوسرا موجود ہے۔آپکو صرف نام سنکر تنزلی کا وہ سفر نظر آجاتا ہے جو ابھی بھی تیزی سے جاری وساری ہے۔قائداعظم کی بات تو رہنے دیجئے۔آپ کرنال کے نواب،یعنی محترم لیاقت علی خان کی مثال سامنے رکھیے۔جب وہ لندن پڑھنے کیلئے گئے،تو انکے والد،نواب رستم علی خان نے خدمت کیلئے ملازمین ساتھ

بھجوائے تھے۔ مال ودولت کثیر تھا۔لیکن جب راولپنڈی میں، افغانی شہری، سید اکبر نے انہیں شہید کیا تو معلوم ہوا کہ انکے ذاتی اکاؤنٹ میں معمولی سی رقم رہ گئی ہے۔ وزیراعظم، اپنے کچن کا خرچہ خود چلاتے تھے۔ قطعاً عرض نہیں کر رہا کہ لیاقت علی خان ایک پرفیکٹ انسان تھے۔ مگر آج کے سیاستدانوں سے موازنہ کریں تو بہرحال مجھے تو حد درجہ بلند قامت انسان نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ برصغیر سے لندن تعلیم حاصل کرنے جاتے تھے اور واپس آ کر سیاسی جدوجہد کا حصہ بن جاتے تھے۔ سیاست میں اپنا ذاتی سرمایہ خرچ کر کے زندہ رہتے تھے۔ ان میں سے کسی کی بھی ہندوستان سے باہر کوئی جائیداد نہیں تھی۔ ماضی کے سیاستدانوں کے بنائے ہوئے ملک میں موجودہ سیاسی بونے پاکستان سے دولت کما کر لندن، فرانس اور دیگر ممالک میں اثاثے بنانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔

سیاسی میدان کو چھوڑ دیجئے۔ شاعری کے میدان کی طرف نظر ڈالیے۔ تقسیم سے پہلے آپکو اس خطے میں علامہ اقبالؒ نظر آتے ہیں۔ چلیے، مان لیتے ہیں کہ ان جیسا فلسفی اور شاعر دوبارہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ مگر دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے، کہ فیض احمد فیض، احمد فراز، منیر نیازی کیا تقسیم سے پہلے کی نسل سے نہیں تھے۔ اس قد کے موجودہ شاعر کیا آج آپکو نظر آتے ہیں؟ کم از کم مجھے تو بالکل دکھائی نہیں دیتے۔ جان ایلیا کا نام بھول گیا۔ ہاں افتخار عارف صاحب کا نام بھی فراموش کر بیٹھا۔ یہ تمام لوگ تو 1947 سے پہلے کے ہیں۔ سوال ہے کہ آپکے موجودہ نظام میں ایسے شاعر کیوں پیدا نہیں ہو رہے۔ اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔ کیا بات کروں۔ نثر کی طرف آیئے۔ سعادت حسن منٹو، اشفاق احمد اور احمد ندیم قاسمی کے علاوہ کس کا ذکر کروں۔ مگر یہ تینوں بھی تقسیم سے پہلے کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر کسی کو مغالطہ ہے تو خود تصدیق کر لے۔ اداکاری کے میدان میں آیئے۔ سنتوش کمار، جنکا اصل نام سید موسیٰ رضا تھا، محمد علی اور ندیم نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ اعلیٰ درجے کے شائستہ فنکار تھے۔ درست ہے کہ اور بھی سنجیدہ فنکار موجود ہیں۔ مگر ان تین ناموں کے علاوہ بتایئے کہ کس کا ذکر کروں۔ مزاح میں لہری اور منور ظریف کے علاہ کس کا باب باندھوں۔ شائد آپکو لگے کہ فنون لطیفہ سے زیادہ مثالیں دے رہا ہوں۔ چلیے، مذہبی علماء کا ذکر کر لیجئے۔ مولانا مودودی، مولانا احسان الٰہی ظہیر، علامہ محمد اسد، آیت اللہ محمد آل فیاد کے جید عالم میں کوئی کلام نہیں۔ مگر انکے بعد اس سطح کے عالم اب کہاں ہیں۔ یہ تمام لوگ تقسیم سے پہلے کے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذہن میں اور بھی بہت سے شعبے آ رہے ہیں۔ کیا صادقین، موجودہ دور میں پیدا ہوسکتا ہے۔ کیا استاد اللہ بخش موجودہ معاشرے کی پیداوار تھا۔ نہیں صاحبان، ہرگز نہیں۔ ان میں سے ایک بھی شخص 1947 کے بعد کا نہیں ہے۔ ہمارے آج کے زہر آلود معاشرے میں بڑا انسان پیدا ہونا تو درکنار، اگر کوئی آزاد سوچ کے ساتھ بات ہی کر لے تو اسے مار دیا جاتا ہے۔ اس سماج کو بغداد کے آخری دور کی طرح سمجھنا چاہیے۔ ہر طرف بے مقصد بحث اور غیر سنجیدہ رویے۔ ہم سب لوگ اب ایک منجمد معاشرے میں زندہ ہیں۔ بے مقصد اور ریاکار قافلے کے مسافر۔ بالخصوص 1947 کے بعد ہمارا پورا معاشرہ فکری، ذہنی، سیاسی، سماجی، مذہبی ابتری کا بھرپور شکار ہوا ہے۔ پرانے نظام نے تو فیکو کو محمد رفیع بنا دیا۔ مگر آپ موجودہ سماج کو دیکھیے۔ یہ محمد رفیع کو دوبارہ فیکو بنا دیتا ہے!

راؤ منظر حیات